وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورة الحشر)

نفاذِ اسلام

کے لیے غلط راستوں کا انتخاب الٹا نقصان کرتا ہے؟

افاداتِ

حضرت مولانا سید مفتی مختار الدین صاحب مدظلہ کربوغہ شریف

خلیفہ مجاز برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ
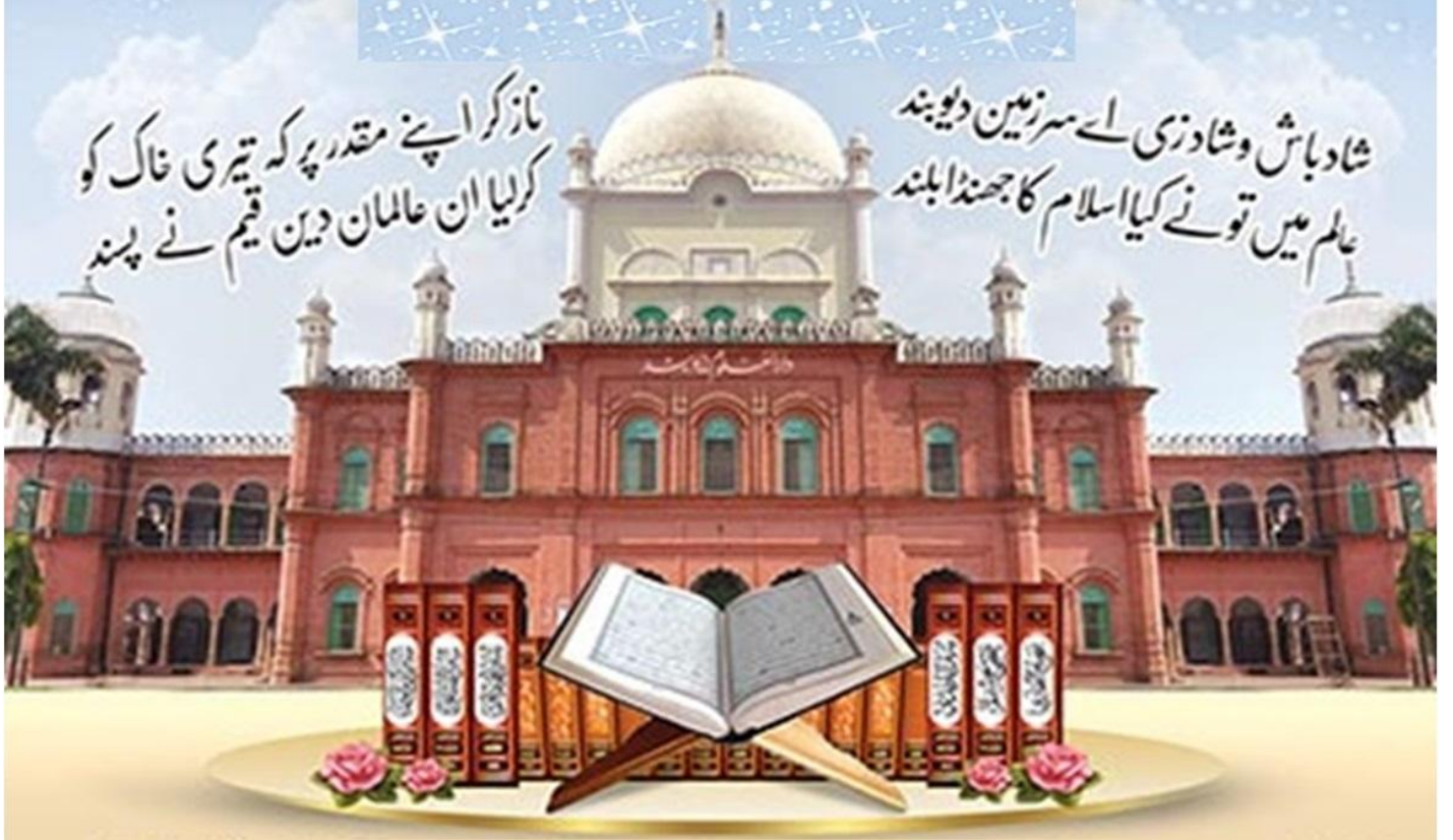
جمع و ترتیب

ملا محمد موسیٰ مجاہد المدنی حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہٗ

مکتبہ

اسرار العروج

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو حضرت مفتی سید مختارالدین شاہ

صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہُ کے لیے صدقہ جاریہ، پڑھنے والوں کے لیے

ذریعہ ہدایت اور مرتب کے لیے توشہ آخرت بنائے، آمین

الفقیر إلی اللہ تعالیٰ، الغریب عن وطنہ

ملا محمد موسیٰ مجاھد افغانی ثم المدنی

ردّہ اللہُ إلی بلدہ سالماً معافیً بمنّہ وکرمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

تمام تعریفیں اسی وحدہ لاشریک لہ، حکیم وعلیم ذات کے لیے ہیں جسے نہ اولاد کی ضرورت ہے، نہ یارومددگار کی، جو آسمان اور زمین کا بادشاہ ہے، جس کا علم کائنات کے ایک ایک ذرہ کو محیط ہے اور جس کا امر ساری کائنات کی حرکت اور تمام مخلوق کی زندگی وجان ہے جس کا قانون پورے عالمِ ہستی کو جکڑے ہوئے ہے اسی کی وجہ سے کارخانۂ کائنات قائم ہے اور اسی کی ہدایت وتعلیم میں لوگوں اور قوموں کی دنیا وآخرت کی نجات وفلاح ہے اور اسی کی مشیت اور قانون کے مطابق قومیں عروج اور زوال پذیر ہوتی ہیں۔

اور ہمیشہ درود وسلام ہو فخر موجودات، پوری دنیا کے سردار، خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کو اللہ تعالیٰ نے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی کامل ترین اور محفوظ ترین ہدایت وتعلیم اور کتاب دے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کے لیے مبعوث فرمایا اور رہتی دنیا تک دنیا وآخرت کی کامیابی وفلاح اور قوموں کے عروج کا مدار آپ ہی پر اتری ہوئی کتاب وتعلیمات اور ان پر عمل کرنے کو ٹھہرایا۔

فصلّی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الأنبیاء والمرسلین

وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ أجمعین۔

ایمانی اور اسلامی تحریک کی خاصیت

ایمانی اور اسلامی تحریک کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو اگر اپنی روح اور وجود کے ساتھ اٹھایا جائے تو وہ ہر اس آدمی کے دل اور وجود کو روشن کر دیتی ہے جس کے دل میں روشنی قبول کرنے کی صلاحیت باقی رہ گئی ہو۔ پیغمبرِ اسلام سیدنا وحبیبنا محمد رسول اللہ ﷺ خود سراپا ایمان واسلام بن کر اٹھے تو آپ کی ایمانی واسلامی شعاعوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فطرت کو جگایا اور بھڑکایا، دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حق اور نظامِ حق کی قولی اور عملی گواہی دینے اور دعوتِ ایمان کا بیڑا اٹھایا۔ دنیا کے بدترین ماحول اور معاشرہ کے مقابلہ میں ایمان اور ایمانی معاشرہ پیش کیا، دونوں نظاموں کے درمیان کافی عرصہ تک کشمکش رہی جس کے نتیجے میں بالآخر ہجرت وجہاد کی صورتیں پیدا ہو گئیں۔ کفار ومنکرین کے ساتھ جتنی جنگیں ہوئیں ان تمام جنگوں میں دو سو انسٹھ ۲۵۹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے۔ اور پورے جزیرۂ عرب پر اسلام کو غلبہ اور تسلُّط حاصل ہوا، پھر یہی غلبہ اور تسلّط برابر پھیلتا اور بڑھتا رہا حتیٰ کہ پوری زمین میں لوگوں پر مسلمانوں کو بین الاقوامی غلبہ واقتدار حاصل ہوا اور مسلمانوں کا یہ غلبہ ایک ہزار سال تک رہا، پھر اس کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا۔

مسلمانوں کا شیرازہ کیوں بکھرا؟

مسلمانوں کا یہ شیرازہ کیوں بکھرنا شروع ہوا؟ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت سے روحِ ایمانی پرواز کر چکی تھی، ظاہر ہے کہ جب کسی بدن سے خواہ وہ ایک فرد کا بدن ہو یا قوم کا اجتماعی وجود اس کی روح نکل جاتی ہے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو جاتا ہے۔

مردہ اور شکست خوردہ قومیں کس وقت اٹھیں

یہ عین اسی طرح کا وقت تھا جس کی پیشنگوئی قرآن مجید نے ان الفاظ میں فرمائی۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝

"اور حرام (یعنی ناممکن) ہے ان بستیوں کے لیے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے کہ وہ پھر (اپنا سر اٹھا کر) نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے تیزی کے ساتھ اترنے لگیں گے"۔

اس پیشگوئی کی ایک جھلک دنیا نے دیکھی کہ جب مسلمانوں کی اجتماعیت کے اندر سے ایمانی روح نکل گئی تو تمام وہ قومیں اور کیڑے مکوڑے اور درندے جو زندہ مسلمان شیروں سے دبے ہوئے تھے اور ان کا کوئی قوی وجود نہ تھا دوبارہ عین اس وقت قومی عروج کی طرف لوٹ آئے جو اس سے قبل زوال پذیر ہو کر اپنی قومی حیثیت گم کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب جنگل میں شیر مر جائے تو اس کے بعد کیڑے مکوڑے اور دوسرے درندوں کو جنگل پر حکومت مل جاتی ہے، بلکہ خود اس مردہ شیر کے کھانے پر گیدڑ لڑ پڑتے ہیں اور شیر کے وجود کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس تنزّل اور شکست، اور زوال پذیر قوموں کے عروج اور سر اٹھانے کے متعلق کچھ اشارات بائبل کے نئے عہد نامے کے "یوحنا عارف" کے مکاشفہ میں بھی موجود ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

"پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق ہے۔ (نبی کریم ﷺ کا صفتی نام "الصادق الامین" ہے اور اس کا ترجمہ سچا اور برحق ہے)۔ اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں" (مکاشفہ باب نمبر ۱۹، آیت ۱۱ تا ۱۲)

اور اس کے بعد والے باب میں ہے کہ:

"پھر میں نے ایک فرشتہ کو آسمان سے اترتے دیکھا جس کے ہاتھ میں اتھاہ گڑھے کی کنجی ہے اور ایک بڑی زنجیر تھی اس نے اس اژدھا یعنی بڑے سانپ کو جو ابلیس اور شیطان ہے پکڑ کر ہزار برس کے لیے باندھا اور اسے اتھاہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اس پر مہر کر دی تاکہ وہ ہزار برس پورے ہونے تک قوموں کو پھر گمراہ نہ کر سکے، اس کے بعد ضرور ہے کہ تھوڑے وقت کے لیے کھل جائے"...........اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور ان قوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نکلے گا ان کا شمار ریت کے برابر ہو گا وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گے اور مقدسوں کے لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف گھیر لیں گے۔"[1]

(دیکھیے مکاشفہ باب ۲۰ آیت ۱ تا ۱۰)

---

[1] اس سے مراد صحابہ کرام کا لشکر گاہ یعنی مدینہ منورہ ہے اور عزیز شہر سے مراد البلد الحرام ہے، البلد الحرام کا ترجمہ (عزیز شہر) عزت والا شہر ہے۔

آج تمام اسلامی ممالک شیطان کے چیلوں اور دشمنانِ اسلام کے ماتحت ہیں یہاں تک کہ چاروں طرف سے مسلمانوں کا لشکر گاہ مدینہ منورہ اور شہر عزیز دشمنانِ اسلام کے نرغے میں ہے۔ اور مسلمانوں کے ایمان واخلاق، تہذیب اور اموال کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں، اسی طرح کی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے جس میں (کفر کے علمبردار) قومیں تم پر (قابض ہونے کے لیے) ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جس طرح دستر خوان پر کھانے کے لیے (لوگ ایک دوسرے کو) بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ تمہاری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت پانی کے اس جھاگ اور خس وخاشاک کی سی ہوگی (جو پانی کے بہاؤ کے اوپر تیرتی ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت اور رعب کو نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں "وھن" پیدا کردے گا کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ "وھن" کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا "دنیا کی محبت اور موت سے بے زاری"۔ (ابوداؤد و بیہقی مشکوٰۃ)

پانی کے بہاؤ کے اوپر جو خس وخاشاک اور جھاگ تیرتی ہے اس کی کوئی حیثیت اور قدروقیمت نہیں ہوتی۔ اور اس جھاگ اور خس وخاشاک کے اندر کوئی حرکت نہیں ہوتی اگرچہ وہ پانی کے اوپر تیرتی ہے یا حرکت کرتی ہے، مگر وہ پانی کی حرکت کے سبب سے ہی کرتی ہے پانی اس کو جہاں بہالے جیسا حرکت دے اس طرح حرکت کرتی ہے، یہی حال مسلمانوں کا ہوجائے گا کہ وہ دشمنانِ اسلام کے اشاروں پر حرکت کریں گے، وہ دوسروں کے دست نگر ہوں گے، کفار کے دلوں میں ان کی کوئی ہیبت اور وزن نہیں ہوگا۔ یہ کیوں ہوگا، کہ ان کے اندر دنیا کی محبت اور موت سے خوف پیدا ہوگا۔

اور یہ موت سے خوف اور دنیا کی محبت مؤمن کے دل کے اندر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے دل کے ایمان کی روشنی بجھ جاتی ہے جب تک ایمان کی روشنی جگمگاتی ہے تو فکرِ آخرت دنیا پر غالب رہتی ہے اور انسان کا دل زندہ رہتا ہے اور روح ترقی کرتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے تو دنیا کی محبت فکرِ آخرت پر غالب آجاتی ہے۔

پکے مؤمن اور مسلمان رہتی دنیا تک موجود رہیں گے

جب مسلمان قوم کی اجتماعیت سے ایمانی روح نکل گئی اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا تو عین اس وقت اس مردہ قوم کے اندر پکے مؤمن بھی موجود تھے، انہوں نے حالات کے مطابق سر دھڑ کی بازی لگائی، انہوں نے بہت جانفشانی سے کفر کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے اندر مختلف طریقوں سے نئی روح پھونکنے کی کوششیں کیں، لیکن سخت کوششوں کے باوجود مسلمان قوم نے کوئی خاص عزت حاصل نہیں کی، بلکہ روز بروز ان کی قومی حالت گرتی چلی گئی اور آج ہم ایسی حالت میں ہیں کہ پوری طرح طاغوتی طاقتوں کے حوالہ ہو کر ان کے لیے نوالۂ تر بن گئے ہیں۔

زوال کے بعد مسلمانوں کی دینی وسیاسی تحریکات اور ان کے ظاہری نتائج

مسلمانوں کے زوال کے بعد غلبۂ اسلام کے لیے جتنی تحریکات اٹھیں اگرچہ یہ تحریکات بظاہر ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں، مگر ایک چیز سب میں مشترک ہے وہ یہ کہ سب کی بنیادی فکر سیاسی ہے اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان قوم کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا سیاسی حل تلاش کیا جائے اگرچہ ان تحریکات میں سے بعض تحریکوں سے کچھ وقتی فائدے حاصل ہوئے اور بعض تحریکات سے کچھ معنوی فائدے بھی حاصل ہوئے، مگر اصل مقصد یعنی غلبۂ اسلام کے لحاظ سے یہ تمام تحریکات ناکام ہو گئیں۔مال وجان کی بے پناہ قربانیوں کے باوجود مسلم قوم برابر مغلوبیت کی طرف جارہی ہے۔

ذرا غور کیجیے! جب مسلمانوں کی اکثریت سے روحِ ایمانی نکل گئی تو اس کے قوی وجود کو کسی بھی تحریک نے پوری طرح نہیں سنبھالا، مسلمانوں نے عالمی سیاسی اتحاد کی تحریک چلائی مگر وہ ناکام ہوئی، اس کے بعد عثمانی خلافت اور مغلوں کی سلطنت ٹوٹ گئی اور ان دونوں کے زیرِ اقتدار مسلمان قوم درجنوں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی اور ان پر انگریزوں کا تسلُّط ہوا اور وہ مسلمانوں کو غلام بنا کر براہِ راست ان پر حکومت کرنے لگے۔ پھر عرصۂ دراز کے بعد مسلمانوں نے عظیم الشان تحریک چلائی تاکہ ہندوستان سے انگریزوں کا بستر گول کر دیں۔ الحمد اللہ ان کوششوں کے نتیجے میں انگریز تو رخصت ہوا، لیکن جب انگریز نکل گیا تو ان پر ایسے سرکش، ظالم اور ملحد لوگوں کا اقتدار آیا، جو انگریز سے بھی بدترین ظالم اور اسی انگریز کے چیلے اور پٹھو تھے۔ انگریز سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی دھوم دار تحریک چلائی

گئی، تاکہ ایک اسلامی حکومت وجود میں آئے اور وہاں اسلامی نظام کو قائم کر کے اس کے اقتدار اور غلبہ کو بڑھائیں، مگر جب تقسیم ہند کا نتیجہ سامنے آیا تو صرف مسلمان ہی تقسیم ہو گئے، کروڑوں مسلمان ہندوستان کے حصے میں آئے اور چند کروڑ پاکستان کے حصے میں اور اس کے بعد چند کروڑ بنگلہ دیش کے حصہ میں، اس طرح مسلمان پہلے سے زیادہ انگریز اور دشمنانِ اسلام کے سامنے بے دست و پا ہو گئے اور جب ہماری نظریں اٹھیں تو دیکھا کہ مسلمانوں کے حکمران وہی بنے جو انگریز کے تیار کردہ اور انگریز سے بھی سخت ظالم اور سنگدل تھے، یہی حال اُن تحریکات کا ہے جو مصر، ترک اور الجزائر وغیرہ میں مسلمانوں نے اٹھائیں جن کے نتیجے میں بالآخر کفر کے علمبردار فوجی حکومتیں آئیں۔ اس طرح اسرائیل کے خلاف ساری مسلم دنیا ایک ہو گئی اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے وہ سب کچھ کیا گیا جو مسلمانوں کے بس میں تھا، مگر پھر بھی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اسرائیل کی طاقت اور زمینی رقبہ و اقتدار میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

پاکستان میں اسلام پسند مسلمانوں نے مغربی جمہوریت کی سیاست کو اختیار کیا اور اس کے لیے برابر پچاس برس[1] تک بڑی بڑی قربانیاں دیں مگر اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مغربی جمہوریت جس کی بنیاد ہی کفر تھی "کہ عوام کی پسند کے قانون کی حکمرانی ہو" اس کفریہ نظام کو اسلام کا جز قرار دیا گیا اور اس کو دینی اہمیت حاصل ہو گئی اور ہم نے اپنے ہاتھوں سے اس نظامِ کفر کو پھیلایا، اور مزید نقصان یہ ہوا کہ علمائے اسلام خود مسلمان عوام کی نظروں سے گر گئے اور طلبہ اسلام میں حصولِ علم و عمل کا جذبہ اور علم کی گہرائی ختم ہو گئی، غرض یہ کہ اس جمہوری سیاست کا فائدہ بھی صرف کفر اور باطل کے حصے میں آ گیا۔

یہی حال ہماری تمام تحریکات کا ہے خواہ وہ جہادی راستے پر کام کرتی ہیں یا سیاسی و جمہوری طریقے پر، ان سب کا نتیجہ مسلمانوں کی تقسیم اور مزید چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں پر منتج ہوتا ہے۔

نوٹ: میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ جمہوری سیاسی اور جہادی تحریکات کا کوئی فائدہ نہیں مگر صرف اتنی بات عرض کرتا ہوں کہ غلبۂ اسلام کا مقصد ان تحریکات سے حاصل نہ ہو گا۔

جزوی اور ہنگامی تحریکات اور جماعتیں بھی ضروری ہیں

اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ ہنگامی ضرورتوں کے لیے جماعتیں یا جزوی تحریکات غیر ضروری

---

[1] یہ اس وقت کی بات ہے جب کتاب لکھی جا رہی تھی ابھی 2018ء چل رہا ہے جب کہ ستر (۷۰) سال کی طویل مدت بیت چکی ہے۔ (زین)

یا غیر مفید ہیں، بلکہ یہ بعض اوقات فرض اور ضروری ہوتی ہیں، مثلاً انکارِ ختمِ نبوت کے فتنے نے سر اُٹھایا اور برابر پھیل رہا تھا تو اس وقت مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے باقاعدہ تحریک چلائیں، اور اس کے لیے ایسی جماعت تشکیل دیں جو اس فتنے کو پوری طرح بن بیخ سے اُکھیڑ دیں۔ یہی حال ان تمام فتنوں کا ہے جو اسلام کے اعتقادی اور اسلامی احکامات کے خلاف یلغار کرتے ہیں کہ ان کی ہر طرح سے سرکوبی مسلمانوں کا فرض بنتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ایسا حکمران برسرِ اقتدار آتا ہے جو مسلمانوں میں الحاد، زندقہ، فحاشی اور بے دینی پھیلانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس بے دین کو بے دینی سے روکیں یا اس کو اقتدار سے ہٹادیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے اندر جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی تحریک چلانا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب مسلمانوں کے اندر اس عظیم جذبے کا احساس کم ہوتا ہے، اس وقت ضروری ہے کہ مسلمانوں کے اندر اس مبارک جذبے کو پروان چڑھایا جائے۔ یہ سب مسلمانوں کی ذمہ داریاں ہیں جن کا نبھانا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، لیکن ایسی تحریکات یا تو وقتی ہوتی ہیں اور یا جزوی۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان دینی ضروریات اور فتنوں کا دفاع کرتے ہوئے اسلام کی اصل تحریک سے کسی وقت غافل نہ ہوں۔ ورنہ اگر مسلمان اسلام کی اصل تحریک سے غافل رہے تو ایک طرف وہ غلبۂ اسلام کے مقصد کو حاصل نہیں کرسکیں گے، دوسری طرف ان تحریکات سے بھی خاطر خواہ نتائج نہیں نکل سکیں گے۔

کسی جگہ پر اسلامی نظام بھی ہو گا لیکن غلبۂ اسلام نہیں ہو گا الاّیہ کہ......

اس میں شک نہیں کہ ایسی کوششوں سے وقتی طور پر کہیں نہ کہیں ایسا نظام قائم ہوسکتا ہے جس میں اسلامی تہذیب اور اسلامی حدود و تعزیرات وغیرہ قائم کیے جائیں، لیکن وہ نہ تو اپنے ملک کے خطے سے ایک قدم باہر جاسکتا ہے اور نہ وہ دوام پاسکے گا، اگر وہ صحیح بنیادوں پر قائم نہیں ہوا ہے یا اس میں مطلوبہ محنت کو جاری نہ رکھا جائے تو ان قربانیوں کا حاصل صرف دشمنانِ اسلام اور باطل پرستوں کو ملے گا، اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسا کہ کھجور وغیرہ کے پورے درخت کو کاٹ دیا جائے اور اپنے باغ میں اس کو لگا دے، اب آپ تو خوش ہوں گے کہ بہت تھوڑے وقت میں کھجور کو حاصل کیا، لیکن تھوڑے عرصے کے بعد آپ خود دیکھیں گے کہ وہ درخت سوکھ جائے گا اور صرف آگ کے کام آئے گا۔

البتہ اگر اسلامی نظام نافذ ہو جائے اور اس کی بنیاد صحیح ہو اور ساتھ ہی مسلمان اس طریقہ اور محنت کو بھی اختیار کریں جس کو ان شاء اللہ بعد میں ذکر کیا جائے گا تو یہی حکومتیں اپنی اقتدار کو پائیدار بھی کریں گی، اور اس اقتدار کو دوسرے ممالک پر بھی مُسلَّط کریں گی۔

سیاسی تحریکات سے غلبۂ اسلام کا مقصد کیوں حاصل نہیں ہوا؟

اب سوال یہ ہے کہ ان تحریکات سے غلبۂ اسلام کا مقصد کیوں حاصل نہیں ہوا، بلکہ ان میں سے بعض تحریکات سے بالکل ہی الٹ نتیجہ کیوں نکل آیا؟ اس کی کچھ وجوہات یہ ہیں:

① درپیش مسائل کی تحریکات ضروری لیکن وقتی ہوتی ہیں

جو تحریک مسلمانوں کو درپیش مسئلہ پیدا کر دے وہ ضروری لیکن وقتی ہو گی، ایسی تحریکیں صرف ردِ عمل کے طور پر سامنے آئیں، اور انہوں نے ان مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کیں جو اس وقت ان کو درپیش تھے۔ ظاہر ہے کہ جو تحریک کسی ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اٹھے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ کے حل میں کامیاب ہو جائے، مگر اس سے یہ توقع کرنا کہ اس سے اسلام کا عروج اور احیاء بھی ہو یہ مشکل ہے۔ ان میں سے جو تحریکات درپیش مسائل میں سے کسی مسئلہ کے حل کرنے میں کامیاب ہوئیں ان کو اس کی داد تو دی جا سکتی ہے اور وقت کے مطابق انہوں نے بہت بڑا کام کیا، مگر وقتی مسائل وقتی ہوتے ہیں۔

اس لیے جب وہ مسئلہ ختم ہو جاتا ہے تو تحریک بھی مٹ کر اپنے آخری انجام تک پہنچ جاتی ہے، مثال کے طور پر روس افغانستان کے اندر آیا اور مسلمانوں کے لیے بڑا مسئلہ بنایا اور مسلمانوں نے اس کے دھکیلنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیں جس کی وجہ سے روس نکل گیا، مسلمانوں کا یہ مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن اس کے ساتھ وہ تحریک اپنی آخری انجام پر پہنچ گئی اور اس کے بعد خود ان جماعتوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی جنہوں نے روس کو شکست دے کر افغانستان سے نکال دیا تھا۔

یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ ایک تحریک سے دوسری تحریک پیدا ہوتی ہے چنانچہ جب افغانستان کے مختلف دھڑوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو بالآخر اس جنگ نے طالبان کی تحریک پیدا کر دی اور انہوں نے آج تک افغانستان کے بیشتر حصے میں امن وامان قائم کر کے اسلامی نظام نافذ کر دیا ہے۔ لیکن ایسا اس

لیے ہوا کہ اس قوم کے اندر ایسے افراد موجود تھے جنہوں نے ان مراحل کو طے کیا جو نظامِ اسلامی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اب افغانستان کے بیشتر حصے پر تو نظامِ اسلام نافذ ہو چکا ہے،① لیکن اگر اب بھی افغان قوم اور کارکنانِ حکومت کی اصلاح پر توجہ نہیں دی گئی تو یہ تحریک بھی اپنی قوم افغانستان کے اندر ہی دم توڑ دے گی۔

اسی طرح انگریز نے جب ہند پر اپنا قبضہ جمایا تو اس نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں وغیرہ کے لیے قومی مسئلہ بنایا اس لیے ان کے خلاف تحریک اٹھی اور ہند کی مختلف جماعتوں نے اس کی آزادی میں حصہ لیا، لیکن یہ آزادی کی تحریک جب اپنے انجام کو پہنچ گئی تو یہ تحریک مٹ گئی اور اس نے دوسری تحریکات پیدا کی۔ اسی طرح جو بھی تحریک کسی درپیش مسئلہ کے حل کے لیے اٹھ جاتی ہے تو جوں ہی وہ مسئلہ اپنے آخری انجام تک پہنچ جاتا ہے تو وہ تحریک بھی ختم ہو جاتی ہے اور پھر خود اسی تحریک سے دوسرے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جو دوسری تحریکات کو پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو اسلامی تحریک صحیح بنیادوں پر اٹھتی ہے تو وہ پھیل کر بالآخر زمین پر اپنا تسلّط اور اقتدار جما لیتی ہے اور اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس قوم کی اجتماعیت کے اندر ایمان و اسلام کی روح باقی رہے۔

خلاصہ یہ کہ جو تحریک کسی درپیش مسئلہ کی بنیاد پر اٹھائی جائے تو وہ تحریک اگر اس مسئلہ کے لیے صحیح کام کرے گی اس سے وہ مسئلہ تو حل ہو گا، لیکن اس کو غلبۂ اسلام کی تحریک کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

② نفاذِ اسلام کے لیے غلط راستوں کا انتخاب الٹا نقصان کرتا ہے

ان سیاسی تحریکات میں بعض تحریکات وہ ہیں جو صرف اپنے ممالک میں نفاذِ اسلام کے لیے اٹھیں، لیکن انہوں نے اسلام کی فطری اور بنیادی راہ کے بجائے ایسے راستوں کو تجویز کیا کہ ان پر چل کر خود کارکنانِ تحریک ایمان و اسلام کی روح سے خالی ہونے لگتے ہیں۔ جب خود تحریکات اپنے کارکنان سے اسلامی روح نکالتی ہیں تو وہ معاشرے سے ایمان دار لوگوں کو چننے میں کس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں۔

---

① یہ کتاب چونکہ اس وقت لکھی گئی ہے جب تحریکِ طالبان افغانستان کا ابتدائی دور تھا اس لیے اس وقت کے حالات کے مطابق یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔ (زین)

نفاذِ اسلام کے لیے اقتدار کے حصول کی تحریک

مثلاً جو تحریکات نفاذِ اسلام کے لیے اقتدار حاصل کرنے کے لیے اٹھتی ہیں اگرچہ ان کے قائدین کا جذبہ نیک ہو اور ان کے دلوں میں مظلوموں اور غریبوں کے لیے خیر خواہی ہو، مگر جب وہ پہلے ہی سے تحریک کو حصولِ اقتدار کے نام پر اٹھاتے ہیں تو ایسی صورت میں حصولِ اقتدار سے پہلے خود ان کے اندر اقتدار کی محبت گھر کر جاتی ہے، بالفرض اگر ان کے دل اقتدار پرستی کے مرض سے پاک بھی ہوں تو بھی یہ تحریک معاشرہ سے جن لوگوں کو چن سکتی ہے۔ وہ یہ ہوں گے:

ا۔ جو لوگ برسرِ اقتدار پارٹی کے مخالف ہوں ان کے نظریات خواہ کتنے ہی باطل ہوں وہ بھی اس تحریک میں شامل ہوں گے، اور جن لوگوں کے دلوں میں اقتدار کا مرض ہو وہ بھی فوراً ساتھ ہو جائیں گے، ڈاکو لٹیرے وغیرہ بھی لوٹ کھسوٹ کے لیے شامل ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسی گندی بھیڑ کے ذریعے اقتدار حاصل کیا جائے تو اس کے بعد جو حکومت آئے گی خواہ اسلام کے نام سے ہو یا کسی دوسرے نام سے، ہر حال میں نئی حکومت پر بھی خائن اور بدکردار لوگ فائز ہوں گے، فرق صرف اتنا ہو گا کہ سابقہ حکومت کفر و شرک کے نام پر ظلم اور خیانت کا ارتکاب کرتی تھی اور یہ نئے ظالم اور خائن اسلام کے نام پر ظلم اور خیانت کو روا رکھیں گے، ظاہر ہے امتِ مسلمہ کے لیے اس پہلے فریق کے مقابلے میں یہ دوسرا فریق زیادہ نقصان دہ ثابت ہو گا، آخر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہو تو تحریکِ اقتدار (جو کہ اعلیٰ قسم کی دنیا ہے) اور پھر بھی اس سے یہ توقُّع کی جائے کہ وہ تحریک آخرت والے صالح افراد تیار کرے گی، یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی گندم کے نام پر جو بوئے اور توقُّع یہ رکھے کہ میں نے چونکہ گندم حاصل کرنے کے لیے جو بویا ہے اور جو کا نام بھی گندم رکھ دیا تو شاید اس بوئے ہوئے بیج سے گندم اُگے، لیکن جب فصل اُگے گی تو وہ لازماً جو ہی کی ہو گی اس کے بعد مرضی آپ کی کہ اس کا نام جو رکھیں یا گندم۔

غریبی دور کرنے اور معاشی حالات درست کرنے کے لیے اسلام کے نام پر تحریک اٹھانا

بعض لوگ غریبوں کی حالتِ زار دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں اور اس غربت کا علاج ان کو صرف اسلام کے نام پر ہی تحریک اٹھانے میں نظر آتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر نادار فقیر لوگوں کی غریبی دور کرنے کے لیے لوگوں کو اسلام پر اکٹھا کیا جائے اور ان کے ذریعے اقتدار کو حاصل کیا جائے تو ایک تیر سے دو

شکار ہو جائیں گے، اقتدار کو حاصل کر کے اسلام بھی نافذ ہو جائے گا اور غریبوں کی غربت کا علاج بھی ہو گا، ایسی تحریک معاشرہ میں جن لوگوں کو چن لے گی وہ ہوں گے تو غریب اور تحریک کا ساتھ بھی دیں گے مگر صرف اپنی غربت دور کرنے کی خاطر، غریبوں کی بھیڑ دیکھ کر اقتدار کے خواہش مند ڈاکو لٹیرے اور خائن لوگ بھی اقتدار کا ہوس ساتھ لے کر شامل ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ جو تحریک بھی اسلام کے ساتھ دنیوی مفادات کو وابستہ کرے تو وہ صالح تحریک بھی آخرت والے لوگوں کے بجائے دنیا پرستوں کا ٹولہ بنائے گی۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالص دنیوی مفادات کی بنیاد پر کوئی اسلام کے ساتھ وابستہ ہو جائے، اور وہ صالح مسلمان بن جائے، بلکہ ایسے لوگ جو اسلام کے ساتھ دنیوی مفاد کی حد تک اپنا رشتہ جوڑ دیتے ہیں وہ تو دنیا پرست اور منافق ہوتے ہیں جو دوسرے غیر مسلموں سے زیادہ اسلام کے لیے خطرناک ہیں۔

مغربی جمہوریت کی راہ سے اسلام کا نفاذ

یورپ سے جب جمہوریت یعنی "عوام کی حکمرانی" کا نظام دنیا پر چھانے لگا، اور اسلامی نظام اور خلافتِ اسلامیہ کے لیے تڑپنے والے دلوں نے دیکھا کہ ایک ایسی راہ نکل آئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی خلافت سخت قربانی دیئے بغیر آسانی سے پاکستان میں نافذ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ پاکستان میں مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جب لوگوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ اسلامی نظام کو اختیار کرتے ہیں یا غیر اسلامی نظام کو، تو سارے لوگ اسلامی نظام کے حق میں ووٹ دیں گے۔ اس طرح آسانی اور جلدی کے ساتھ اسلامی نظام پاکستان میں قائم ہو گا، پھر اس کو دوسرے ممالک میں پھیلا کر پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے گا تو بہت سے مخلص حضرات نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ ضرور اپنی رائے دے کر ووٹ ڈالیں، ورنہ اگر رائے نہیں دی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مشورہ نہیں دیا اور مشورہ دینا امانت ہے اور تم نے گواہی نہیں دی، لہٰذا حق کی گواہی نہ دینے اور خیانت کے مرتکب ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اسلام حق ہے تو اسلامی پارٹی کو ووٹ نہ دینا نہ صرف جھوٹی گواہی بلکہ کفر کی حمایت ہے۔ اس طرح بہت سارے طریقوں سے عوام کو سمجھایا گیا کہ ووٹ دینا ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو تحریک بھی نفاذِ اسلام کے لیے اسلامی راستے کو چھوڑے گی تو وہ کبھی اسلام کے سرحد پر نہیں پہنچ سکے گی خواہ اس غلط راستے کو اسلام کا نام ہی کیوں نہ دیا جائے اور پھر اس

کے لیے دلائل کا انبار کیوں نہ لگا یا جائے بہر حال اس کے نتائج غلط نکلیں گے اور لوگ اسلام کے بجائے اسلام سے اور دور ہوتے چلے جائیں گے۔

پاکستان کا رہنے والا شخص اگر مکہ مکرمہ کے لیے ایسے راستے کو تجویز کرے جو مکہ کے بجائے دوسری سمت جانے والا ہو تو اس راستہ کو ہزار بار مکہ مکرمہ کے راستے کا نام دیا جائے اور اس کو مکہ مکرمہ کا راستہ ثابت کرنے کے لیے بڑے بڑے نعرے لگائے جائیں لیکن تجربہ ثابت کرے گا کہ جس قدر اس راہ پر جایا جائے گا اس قدر تھکاوٹ ہو گی اور مکہ مکرمہ کی بو بھی نہیں سونگھی جاسکے گی۔

جمہوری نظام تمام تر خواہش پرستی کا نظام ہے اس کا اسلام کے ساتھ کوئی بھی جوڑ نہیں، یہ کسی انسان کو انسان نہیں بنا سکتا ہے جمہوری نظام میں جہاں کوئی نیک صالح لوگ نظر آتے ہیں وہ دراصل مدارس، خانقاہوں اور نیک صحبت کا ثمرہ ہوتا ہے نہ کہ جمہوریت کے عمل کا نتیجہ۔ اس نظام کا نظامِ کفر ہونے کے متعلق چند دلائل لکھ دیتا ہوں:

اسلامی نظام نظامِ عدل ہے

ا۔ اسلامی نظام نظامِ عدل ہوتا ہے، وہ ہر ایک چیز اور شخص کو اس کے مناسب مقام پر رکھ دیتا ہے، ایک انجنیئر کی رائے تعمیر میں تو قابلِ قدر ہے، لیکن اگر مریض کے بارے میں ڈاکٹر کے بجائے انجنیئر کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ مریض کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف ہوگا۔ یہی حال زندگی کے تمام شعبوں کا ہے کہ ہر شعبہ کے الگ الگ ماہرین ہوتے ہیں، اور ہر شعبے کے متعلقہ مسئلہ کے بارے میں اسی شعبہ کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اب عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ عادل اور مُنصِف کا انتخاب وہ جماعت کرے جو عدل وانصاف پر خود بھی پوری پوری اتری ہو اور اس کے اندر یہ شعور بھی موجود ہو کہ وہ عادل وظالم کو اچھی طرح جانتی ہو جبکہ جمہوری نظام میں انتخاب کی بنیاد ہر شخص کے ووٹ (یعنی رائے) پر ہے وہ چور، لٹیرے، بدکردار، دنیا پرست، ظالم کسی میں فرق نہیں کرتا سب کے سب کو ووٹ ڈالنے (یعنی رائے دینے) کا حق بھی دیتا ہے اور اس ووٹ پر فیصلہ بھی کرتا ہے۔ اگر ایک طرف دس پاگل، لٹیرے اور ہیرونچی ہو جاتے ہیں اور دوسرے کے حق میں نو ایسے لوگ ووٹ ڈال دیں جو دنیا کی مانی ہوئی عقل مند اور عادل شخصیتیں ہوں تو اس نظام میں جیتنے والا شخص لٹیروں اور ہیرونچیوں کا منتخب کردہ ہوگا، کیا اسلام کے

ساتھ ایسا بے ہودہ ظالمانہ اور احمقانہ نظام کا کوئی جوڑ ہو سکتا ہے؟۔ جب خود عقل انسانی اس کی تردید کرتی ہے تو دینِ اسلام تو دینِ فطرت ہے وہ اس کی تائید کیسے کر سکتا ہے؟، بلکہ اسلام تو کہتا ہے کہ کروڑوں بدکاروں اور جاہلوں سے ایک نیکوکار اور عقل مند کی رائے وزنی ہے، وہ ایسے نظام کو نظامِ جاہلیت اور کفر قرار دیتا ہے جو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے جیسا کہ اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آجائے گا۔

۲۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام، یا حضرت لوط علیہ السلام، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام جمہوری نظام کے مطابق انتخابی سیاست لڑتے تو دنیا میں حق نام کی کوئی چیز نہ ہوتی، نہ ان کو بگڑے ہوئے لوگوں میں ووٹ ملتے اور نہ وہ ان کو تکلیفیں پہنچاتے اور نہ ان کو ہجرت پر مجبور کرتے۔

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذرہ برابر بھی اکثریت کی قدر ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے چند ساتھیوں کے مقابلے میں پوری قوم کو غرق نہ فرماتے۔ اور نہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے مقابلے میں پوری قوم کو تہہ وبالا کر کے برباد کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے فعل اور فیصلوں سے ثابت کیا ہے کہ اس کے نزدیک قدروقیمت صرف ایمان وتقویٰ کی ہے، نہ کہ اکثریت کی اور اس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی فیصلہ کرے گا، اس حقیقت کو قرآن پاک نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ یہاں بطورِ نمونہ چند آیتوں کو نقل کرتا ہوں:

قرآن مجید اور اکثریت

(الف) إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

(سورۂ بقرہ: ۲۴۳)

(ب) اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ

اے آلِ داؤد شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔

(سورۂ سبا: ۱۳)

(ج) وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ

اور حقیقت یہ ہے کہ تم میں اکثر لوگ فاسق (غدار) ہیں۔ (سورۂ مائدہ: ۵۹)

(د) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

لیکن اکثر لوگ (حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (سورۂ اعراف: ۱۸۷)

(ھ) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ

لیکن ان میں اکثر جاہل (جذبات سے مغلوب) ہیں۔ (سورۂ انعام: ۱۱۱)

(و) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ

لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (سورۂ ہود: ۱۷)

اس طرح بہت ساری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی نشان دہی فرمائی ہے کہ لوگوں کی اکثریت کفر و شرک، فسق، ناشکری اور جہالت کی گندگی میں لت پت ہوتی ہے۔ اب ایسی صورت میں صلاحیتوں اور دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اکثریت کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھانا عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے واضح قانون اور دستورِ قرآن مجید کے بھی خلاف۔

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اقبالؔ

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو که از مغز دو صد فکر انسانے نمے آید

اقبالؔ

ترجمہ: جمہوری طرزِ حکومت سے بھاگو اور کسی تجربہ کار کا غلام بن جاؤ کیونکہ دو سو گدھوں کے دماغ سے ایک انسانی سوچ حاصل نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ: میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ اس میدان کو بالکل خالی چھوڑا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ آج کل جمہوریت کو دین کا درجہ دیا گیا ہے اور جمہوریت دین اسلام نہیں، اس لیے دین کے احیا و بقا اور اس کے پھیلاؤ کو نظر انداز نہ کیا جائے، بلکہ جمہوریت کو وقت کی مجبوری سمجھ کر اس میں حصہ لیا جائے۔

عوام الناس کی بھیڑ میں سے اکثریت کی حیثیت

دنیا میں حق پرست، امانت دار اور سچے معنوں میں انسان بہت کم ہوتے ہیں، اکثریت ان لوگوں

کی ہوتی ہے جو نفس سے مغلوب ہوتے ہیں۔ ان کی اکثریت کی اتباع گمراہی، ضلالت اور صراطِ مستقیم کو چھوڑنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

"اور اگر تم اکثریت کے کہنے پر چلو گے جو زمین پر ہیں تو وہ تم کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے (بھٹکا کر) گمراہ کر دیں گے"۔ (سورۂ انعام:۱۱۶)

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکمرانی ہوتی ہے اور جمہوری نظام میں جاہل عوام کی خواہشات کی

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکمرانی ہوتی ہے اور اس میں قانون سازی کے تمام اصول موجود ہیں، مسلمان صرف انہی اصول و قوانین اور احکامات کو نافذ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول ﷺ کی سنت (یعنی عملی نمونہ) اور سیرتِ مبارکہ میں موجود ہیں، وہ صرف ان قوانین کے اجرا اور نفاذ کے لیے انتظامی عملہ کی تشکیل کرتے ہیں، ان کے باہمی مشورے انتظامی امور کے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ قوانین کے متعلق۔ اس کے برعکس جمہوریت نام ہی اس قانون کا ہے جس کو عوام کی اکثریت کی پسند پر بنایا جائے، ظاہر ہے کہ ایسا طاغوتی نظام جو سراسر اسلام کی ضد ہے اس کو اسلام کا جز یا حصہ قرار دینا سنگین جرم ہے۔

جمہوری نظام کی راہ سے آیا ہوا اسلامی نظام حقیقی معنوں میں اسلامی نظام نہیں ہوگا

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ جمہوریت اور جمہوری نظام کا اسلام سے کوئی جوڑ نہیں تو اب یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اگر بالفرض جمہوریت کی راہ سے کوئی اسلامی تحریک برسرِ اقتدار آئی بھی تو وہ پھر بھی حقیقی معنوں میں اسلامی نظام سے محروم ہو گی اگرچہ یہ اسلامی تحریک والے اس کا نام اسلام رکھیں یا خلافت کا نام دیں بہر حال وہ اسلام کے نام پر خود اسلام کے لیے رکاوٹ بن جائے گی، کیونکہ یہ تحریکات قطعاً انسان کو انسان بنانے میں ناکام ہیں۔ نیز ان سیاسی تحریکات میں شامل ہو کر اکثر دین دار اور اچھے لوگوں کے اندر بھی بغض، حسد، جھوٹ، خیانت اقتدار پرستی اور دنیا پرستی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور ان پر یہ داغ

دھبے اس قدر گہرے ہو جاتے ہیں کہ پھر بہت مشکل ہی سے ان کو دور کیا جاسکتا ہے، آخر جن لوگوں کا بحث ومباحثہ ہی یہ ہو کہ کونسا نظام اچھا ہے اور کونسا نظام برا؟ کونسا آدمی اچھا ہے اور کونسا آدمی برا؟ ہم اچھے ہیں ہم ہی کو ووٹ دے دو، فلاں صحیح نہیں ہے، اس کو ووٹ دینا حرام ہے اور جو شب وروز اپنے مقابل کے خلاف غیبت، بہتان، جھوٹے پروپیگنڈے کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی اصلاح کیسے ہو جائے گی، یہ تو لوگوں کو مزید انسانیت سے خالی رکھ کر چھوڑ دیں گے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی اسلامی تحریک جمہوری نظام کی راہ سے تخت پر بیٹھ بھی گئی اگر اس کے منتخب نمائندوں کی اصلاح نہ کی گئی ہو تو اس کے ساتھ ایسے صالح افراد نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے رحم وعدل والے قانون کو چلا سکیں، کیونکہ انتظامی امور سنبھالنے کے لیے صرف اچھا اور عدل والا قانون ہی کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے ایسے لوگ بھی ضروری ہیں جن کے سینے رحم وعدل اور صبر و امانت سے لبریز ہوں اور جمہوری نظام میں ایسے لوگوں کا ملنا ناممکن ہے مثلاً پاکستان میں کوئی ایسا شخص برسر اقتدار آجاتا ہے جو بہت بڑا بزرگ اور بہت دین دار ہے، لیکن ملک چلانے والا تو صرف صدر اور وزیر اعظم نہیں ہوتا، بلکہ انتظامی امور مثلاً امن وامان قائم کرنے کے لیے پولیس اور خارجی خطرات کے لیے فوج اور بجلی وغیرہ کے لیے واپڈا کے ملازمین اور افسر ہوتے ہیں، اس طرح ہر شعبے کے افسران اپنے اپنے شعبوں کو چلاتے ہیں اور ان ساری جگہوں کے اندر ایسی گندگی اور نجاست بھر دی گئی ہے کہ اس کی بدبو نے پورے ملک کو بدبودار بنایا ہے، بد امن بنایا ہے۔ اب اگر ان شیطانوں کے ہوتے ہوئے کوئی اسلام پسند وزیر اعظم یا صدر بن جاتا ہے اور وہ اسلامی قوانین کے اجرا اور نفاذ کا اعلان کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ظلم وفساد اسلام کے نام پر کیا جائے گا جیسا کہ حَجاج بن یوسف قرآن کا نام لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پاک خون بہاتا تھا۔ غرض یہ کہ جب حکومتی کارندے اور پوری مشینری ہی ایسی ہو جو انسانیت کو اپنے ظلم کی چکی میں پیس رہی ہو تو ایسی حکومت پر اسلام کا لیبل لگانا اسلام سے عام لوگوں کو متنفر کرنا ہے اور اگر اس بدترین مشینری پر کسی بزرگ عالم دین کو نگران بنا دیا جائے تو اس کی وجہ سے خیر وخوبی کی توقع عبث ہے، بلکہ اس کی وجہ سے علمائے اسلام بدنام ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ جمہوریت میں اسلام تلاش کرنا وقت کا ضیاع ہے، اس راہ سے نہ کبھی اسلام آیا ہے اور نہ حقیقی معنوں میں کبھی اسلام آسکتا ہے۔